(13)

رمضان المبارک کے متعلق ہدایات

(فرمودہ ۱۰ اپریل ۱۹۲۵ء)

تشہد، تعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

میں آج دعا کے متعلق بعض باتیں اپنے خطبہ میں بیان کرنا چاہتا تھا اور اس وقت تک کہ میں یہاں مسجد میں آیا ہوں میرا یہی ارادہ تھا۔ لیکن اب جب کہ میں ممبر پر کھڑا ہوا ہوں مجھے ایک رقعہ دیا گیا ہے جو میرے پچھلے خطبہ کے متعلق ہے۔ چونکہ اس کے متعلق پہلے بھی مجھ سے بعض دوستوں نے پوچھا ہے اور مجھے بتایا بھی گیا ہے کہ لوگوں نے میرے اس خطبہ کے مختلف معنی کئے ہیں جو میں نے گزشتہ جمعہ پڑھا تھا۔ اس لئے میں اپنے پہلے ارادے کو ترک کر کے اس امر کے متعلق جو مجھ سے پوچھا گیا ہے کچھ بیان کرتا ہوں۔

دنیا میں ہر ایک امر جو لوگوں کی عادت اور خیال، ان کی رسم و رواج کے خلاف ہوتا ہے ہمیشہ اس کے کرنے پر ان کی طبیعت میں قبض پیدا ہوا کرتی ہے۔ اور وہ امر ان کو عجیب معلوم ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ میں نے دیکھا ہے بہت معمولی معمولی باتیں جو عبادات اور شریعت کے ساتھ بھی کوئی تعلق نہیں رکھتیں وہ بھی اگر عادت اور رسم کے خلاف کرنی پڑیں تو بہت بڑی معلوم ہوتی ہیں۔

مجھے یاد ہے جب میں مدرسہ میں پڑھا کرتا تھا تو پرانے دستور کے مطابق میں پاجامہ پہنا کرتا تھا۔ جو شلوار کے رواج سے پہلے عام طور پر سکولوں میں رائج تھا جو شرعی پاجامہ کہلاتا ہے۔ وہ تو اوپر سے کھلا اور نیچے سے تنگ ہوتا ہے۔ لیکن وہ اوپر نیچے برابر پتلوں نما ہوتا تھا۔ اور وہی میں عموماً پہنا کرتا تھا۔ مجھے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام دیکھ کر فرمایا کرتے تھے یہ پاجامہ کیا ہے۔ جیسے بندوق کا بگھہ (تھیلا) ہوتا ہے۔ اب تو بندوقیں بھی پرانے طرز کی نہیں رہیں۔ اور نہ ویسے تھیلے ہوتے ہیں۔ مگر پہلے اس قسم کے ہوا کرتے تھے۔ بعض لڑکوں نے مجھے کہا میں شلوار پہنا کروں۔

چنانچہ میں نے شلوار بنوائی۔ مجھے خوب یاد ہے جب پہن کر میں گھر سے باہر آیا تو میں نہیں سمجھتا کوئی چور یا ڈاکو بھی کوئی واردات کر کے اتنی ندامت اور شرمندگی محسوس کرتا ہو گا جتنی کہ مجھے اس وقت شلوار پہننے سے محسوس ہوئی۔ میں آنکھیں نیچی کئے ہوئے بمشکل اس مکان تک جو پہلے شفا خانہ تھا اور جس میں اس وقت ڈاکٹر عبداللہ صاحب بیٹھا کرتے تھے آیا۔ بھائی عبدالرحیم صاحب اور بعض دوسرے استادوں نے اس بات کی تائید بھی کی کہ شلوار اچھی لگتی ہے۔ مگر مجھے اتنی شرم آئی کہ واپس جا کر میں نے اسے اتار دیا۔ اب میں شلوار ہی پہنتا ہوں مگر اس کی عادت آہستہ آہستہ ہوئی ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں اگر اب بھی میں دوسری قسم کا پاجامہ بدلوں تو گو اتنی شرم تو مجھے نہ آئے جتنی اس وقت آئی تھی۔ لیکن کچھ نہ کچھ طبیعت میں بے اطمینانی ضرور ہو۔ پس اگر عادت کے خلاف ایک شلوار پہن کر جس کا عبادات یا شریعت سے کوئی تعلق نہیں۔ طبیعت میں قبض اور بے اطمینانی پیدا ہو سکتی ہے۔ تو یہ کوئی بڑے تعجب کی بات نہیں۔ اگر میرے اس خطبہ پر بھی بعض لوگوں کو اچنبھا معلوم ہو۔

میں نے اپنے اس خطبہ میں دو قسم کے لوگوں کے خلاف خیالات کا اظہار کیا تھا۔ ایک تو وہ جو روزوں کی اتنی پابندی کرتے ہیں جو دیوانگی کی حد تک پہنچی ہوئی ہے۔ اور ایک ان کے خلاف جو معمولی معمولی حیلوں بہانوں سے بھی روزہ سے بچنا چاہتے ہیں۔ مگر مجھے افسوس ہے کہ میرے اس خطبہ کے متعلق بے اطمینانی کا اظہار صرف انہی لوگوں نے کیا ہے جو روزہ کی سختی کے ساتھ پابندی کرتے ہیں۔ لیکن دوسرا فریق جو معمولی معمولی عذروں کی بناء پر روزہ سے بچنا چاہتا ہے اس نے کوئی شکایت نہیں کی۔ اور خاموشی اختیار کی ہے۔ جنہوں نے اعتراض کیا ہے۔ مجھے ان کے اعتراض کرنے پر خوشی ہوئی ہے۔ کیونکہ اس میں ان کی غیرت دینی اور جوش ایمانی پایا جاتا ہے۔ مگر افسوس ہے دوسروں پر کہ ان کے اندر کوئی جوش اور غیرت پیدا نہ ہوئی۔ اگر ان کی طرف سے یہی اعتراض کیا جاتا تو میں امید کرتا کہ ان کے اندر بھی ایسے لوگ ہیں جو غیرت اور جوش رکھتے ہیں۔ جس کی وجہ سے ان میں سے بھی کوئی ایسی جماعت پیدا ہو جائے گی جو معمولی عذروں پر شریعت کے احکام کو ٹالنے کی کوشش نہیں کرے گی۔ لیکن ان کی خاموشی بتاتی ہے کہ وہ روزہ کے متعلق بے حس ہو چکے ہیں۔ مگر اثر دونوں فریقوں پر ہوا ہے۔ جو لوگ سختی کے ساتھ روزوں کی پابندی کے عادی تھے انہوں نے تو یہ سمجھا کہ ان سے دین اور شریعت کی بنیاد ہل گئی۔ اور وہ لوگ جو اپنے آپ کو روزہ سے بچانا چاہتے تھے انہوں نے کہا اچھا ہوا روزہ نہ رکھنے کی اجازت مل گئی۔

حالانکہ نہ تو میرا یہ مقصد تھا کہ روزہ چھوڑ دیا جائے۔ اور نہ روزہ چھڑوانا مد نظر تھا۔ میں نے جو یہ کہا تھا کہ پندرہ سے اٹھارہ برس تک عمر روزہ کے لئے حد بلوغت ہے۔ اس کا یہ مطلب اور مقصد نہ تھا کہ ہر وہ شخص جو اٹھارہ برس سے کم عمر کا ہے۔ اس کو روزہ نہیں رکھنا چاہیے۔ جنہوں نے یہ نتیجہ نکالا اور باوجود پوری طرح نشوونما حاصل ہونے کے روزہ رکھنا چھوڑ دیا انہوں نے غلطی کی۔ اور جنہوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ میں روزے کو مٹانا چاہتا ہوں انہوں نے بھی غلطی کی۔ جہاں تک میری تحقیق روزے کے متعلق ہے وہ یہی ہے کہ روزے کے لئے اوسط بلوغت ۱۵ سال سے اٹھارہ سال تک ہے۔ اس کے خلاف مجھے ابھی تک کوئی ثابت شدہ شرعی امر نہیں معلوم ہوا۔ میرے دو دوست جو میری اس تحقیق پر معترض ہیں۔ اگر وہ کوئی سند رسول اللہ ﷺ کی ثبوت میں پیش کر دیں تو جس منہ سے میں نے وہ اعلان کیا تھا اسی منہ سے اس کے خلاف اعلان کر دوں گا۔ اور تسلیم کر لوں گا کہ میری رائے غلط تھی۔ باقی رہا لوگوں کا اجتہاد۔ سو انبیاء کو علیحدہ کر کے کسی اور سے دبنے کا مادہ میں نے اپنے اندر کبھی پایا ہی نہیں۔ اور میں کسی کے اجتہاد کو بلا دلیل ماننے کے لئے تیار نہیں۔ اجتہاد کی بناء عقل پر ہوتی ہے۔ پس جس طرح کسی اور میں عقل ہے۔ اسی طرح مجھ میں عقل ہے اگر کوئی بلا دلیل بات کہتا ہے تو میرے نزدیک ضروری نہیں کہ اسے تسلیم کیا جائے۔ پس اگر کوئی حقیقت کے خلاف اپنا اجتہاد پیش کرتا ہے تو میں اس کو ماننے کے لئے تیار نہیں۔ خواہ اس کے نام کے ساتھ کتنے القاب لگے ہوئے ہوں۔

میں سمجھتا ہوں روزوں کے متعلق لوگوں نے نہایت سخت غلطی کھائی ہے۔ ایسے ایسے واقعات سننے میں آئے ہیں اور ایسے لوگوں سے سنے گئے ہیں جنہوں نے اپنی آنکھوں سے ان واقعات کو دیکھا ہے کہ روزوں سے بہت سے بچوں کی ہلاکت تک نوبت پہنچ گئی ہے اور ایسے واقعات تو مجھے بھی پیش آئے ہیں کہ بعض عورتوں نے پوچھا ہے۔ ہمارا دودھ پیتا بچہ بھوک کے مارے تڑپتا رہتا ہے ہم روزہ رکھیں یا نہ رکھیں۔ ایک آدمی نے ایک واقعہ سنایا کہ ایک گھر والوں نے تین سال کے بچے کو روزہ رکھوا دیا۔ دن میں جب اسے پیاس لگی اور وہ بلبلانے لگا تو گھر والوں نے سمجھا۔ اگر روزہ تڑوا دیا گیا تو روزہ کی سخت ہتک ہو گی اور بہت بڑا گناہ ہو گا۔ اس خیال سے کوئی اسے پانی نہ پینے دے۔ اور ایسی حالت میں نہ پینے دے جب کہ اس کی بے قراری اور تکلیف سے سارا گھر ماتم کدہ بنا ہوا تھا۔ آخر روزہ کھلنے کے وقت سے پہلے وہ بچہ تڑپ تڑپ کر مر گیا مگر کسی نے اسے پانی نہ دیا۔ شائد کوئی کہہ دے ان لوگوں نے بڑی نیکی کی۔ اور بڑے تقویٰ کا ثبوت دیا کہ اپنا بچہ

روزوں کی ہتک کے خیال سے قربان کر دیا۔ مگر میں کہوں گا انہوں نے ناحق خون کیا۔ وہ اپنے اس فعل سے ایسے ہی مجرم ہیں جیسا کہ ایک قاتل خدا تعالیٰ کے حضور مجرم ہے۔

مجھ سے رقعہ میں یہ سوال کیا گیا ہے کہ بلوغت سے کیا مراد ہے۔ میرا جواب یہ ہے۔ کہ میں نہیں سمجھ سکتا۔ بلوغت کے معنی کس عقل سے کس ہوش سے کس فقہ اور کس حدیث سے ایک ہی کئے جا سکتے ہیں۔ جب کہ بلوغت کے کئی معنی ہیں۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ خود فقہاء نے بلوغت کے کئی معنی کئے ہیں۔ بے شک وہ بھی ایک بلوغت ہے جب بچہ کو عورت کے ساتھ ملنے اور بچہ پیدا کرانے کی قوت اور طاقت آ جاتی ہے۔ لیکن اس کے لئے بھی کوئی عمر کی حد مقرر نہیں کی جا سکتی۔ یہ کہیں بارہ سال کی عمر میں اور کہیں تیرہ چودہ سال کی عمر میں اور کہیں پندرہ سولہ اور سترہ سال کی عمر میں جا کر بچے کو حاصل ہوتی ہے۔ جب اس بلوغت کا یہ حال ہے۔ تو پھر بلوغت کے کیا معنی کرو گے۔ اور کون سے وقت سے اس بلوغت کا زمانہ شروع ہو گا۔ ہندوستان اور دیگر گرم ممالک میں بعض بارہ سال کے بچے کو بلکہ اس سے بھی کم عمر میں اس قسم کی بلوغت حاصل ہو جاتی ہے۔ اور اگر سرد علاقوں میں چلے جاؤ تو وہاں یہ نظر آتا ہے کہ اٹھارہ سال سے پہلے بچے میں اس قسم کی بلوغت کی قابلیت پیدا نہیں ہوتی۔ ایسی حالت میں بلوغت کے کونسے خاص معنی اور اس کے زمانہ کی کونسی خاص تخصیص کی جا سکتی ہے۔ یہ تو بچے کی اس بلوغت کے زمانہ کا حال کہ جس میں وہ عورت کے ساتھ ملنے کی قوت اور قابلیت حاصل کرتا ہے۔

اب نماز کی بلوغت کا زمانہ لو یہ سات سال سے شروع ہوتا ہے۔ اور دس سال کے بچے کو سختی کے ساتھ نماز کی پابندی کرانے کا رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ اور بارہ سال کے بچے سے تو تہجد کے متعلق فرمایا ہے کہ کیوں نہیں پڑھتا۔ پس نماز کے لئے بلوغت کا زمانہ دس سال ہے۔ اگر اس حد بلوغت کو مرد و عورت کے تعلقات کے لئے سمجھا جائے تو کیا کوئی ایسا بچہ دنیا میں ہے جو دس سال کی عمر میں ایسی قابلیت حاصل کرے کہ بچہ پیدا کرا سکے۔ ایسی کوئی مثال نہیں مل سکتی۔ مگر باوجود اس کے کہ اس عمر کے بچہ کو ایسی قابلیت حاصل نہیں ہوتی۔ نماز اس کے لئے ضروری قرار دی گئی ہے۔ پس تمام شرعی احکام ایک بارہ سال کے بچے پر واجب قرار نہیں دیئے گئے بلکہ ہر ایک حکم کی نوعیت الگ الگ ہے۔ اور اس نسبت سے بلوغت کا زمانہ مختلف ہے۔

اسی طرح اب جہاد کی بلوغت کے زمانہ کو لو۔ ہمارے ملک میں ساٹھ فیصد بچے ایسے ہوتے ہیں کہ تیرہ چودہ سال کی عمر میں عورت سے ملنے اور بچہ پیدا کرانے کی قابلیت ان میں پیدا ہو جاتی

ہے۔ اور عرب کا علاقہ تو ہمارے ملک سے زیادہ گرم ہے۔ وہاں تو اس عمر سے بھی پہلے بچہ پیدا کرانے کی قابلیت پیدا ہو سکتی ہے۔ مگر رسول اللہ ﷺ نے پندرہ سال سے کم عمر والے کے لئے جہاد جائز نہیں رکھا۔ (ا) حالانکہ اس کو وہ بلوغت حاصل ہوتی ہے۔ جس سے وہ اولاد پیدا کر سکتا ہے۔ اب اگر جہاد کا موقع ہو گا۔ تو اس کے لئے بلوغت کی حد پندرہ سال ہو گی۔ اس سے کم عمر مراد نہیں ہو گی۔

اب ایک اور بلوغت تیاملؔ کی ہے۔ جس سے یہ مراد ہے کہ وہ خود کب اپنا گزارا چلانے کے قابل ہو سکتے ہیں۔ اور کب وہ دوسروں کی مدد کے محتاج نہیں رہتے۔ اولاد پیدا کرنے کی بلوغت تو بعض بارہ برس کی عمر کے بچوں کو حاصل ہو جاتی ہے۔ مگر اس عمر کا لڑکا اپنا بوجھ آپ اٹھانے کے قابل نہیں ہو سکتا۔ اس کی بلوغت کے یہ معنی ہوں گے کہ اس کی عمر کم از کم ۱۸ سال کی ہو۔ کیونکہ اس کے دانا عاقل بالغ ہونے کے معنی یہ ہوں گے کہ اس سے کم عمر میں وہ کیا محنت کر سکتا ہے۔ اس کے لئے تو پندرہ سولہ سال کی عمر کام سیکھنے اور تعلیم حاصل کرنے کی عمر ہے۔ اس سے بڑھ کر جائداد کے انتظام کے لئے بلوغت کا زمانہ ہے۔ اور وہ ۲۱ سال کا ہے۔ اگر کسی کی عمر اکیس سال سے کم ہے تو عاقل بالغ نہیں سمجھا جائے گا۔ خواہ کوئی بیس سال کی عمر میں چار بچے پیدا کر چکا ہو۔ فقہاء اس کو بالغ نہیں کہیں گے۔ راجاؤں کو ہی دیکھو۔ ان کے اوپر ریذیڈنٹ مقرر ہوتا ہے۔ سرکار کے نزدیک وہ نابالغ ہی ہوتے ہیں۔ گو بچے پیدا کرنے کے لحاظ سے وہ نابالغ نہیں ہوتے۔

پھر نبوت کی بلوغت کا زمانہ چالیس سال ہے۔ گو پہلے بھی مل جاتی ہے۔ جیسا کہ حضرت مسیح کے متعلق لکھا ہے کہ ان کو تیس سال کی عمر میں نبوت ملی تھی۔ (۲) اگرچہ ممکن ہے تاریخی طور پر یہ غلط ہو۔ کیونکہ انجیلوں کے سوا کوئی اور ایسی قوی شہادت نہیں اور موجودہ اناجیل حضرت مسیح سے بہت بعد میں تیار ہوئی ہیں۔ جہاں ان میں اور غلطیاں ہیں ان میں ایک یہ بھی غلطی ہو سکتی ہے۔ قرآن کریم سے نبوت کی بلوغت کا زمانہ جو معلوم ہوتا ہے وہ چالیس برس ہی ہے۔ اب اس جگہ کوئی عاقل بالغ کے یہ معنی نہیں کر سکتا۔ جو ایک شادی کی قابلیت رکھنے والے کی نسبت کئے جاتے ہیں۔

پس کام دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ کام ہیں جن کا اثر عام طور پر انسان کے جسم پر پڑتا ہے۔ اور ایک وہ کام ہیں جن کا اثر انسان کے جسم پر نہیں پڑتا۔ بلکہ ان کا تعلق انسان کی روحانیت کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور جتنا جتنا ان کا کم اثر جسمانیت پر اور زیادہ تر روحانیت پر پڑتا ہے اتنا ہی بلوغت کا زمانہ بھی نیچے کو چلا جاتا ہے۔ حتی کہ تین سال کی عمر میں بھی ان احکام کی پابندی ضروری

قرار دی گئی ہے کہ جو آداب اور اخلاق سے تعلق رکھتے ہیں۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت حسین کو اسی عمر میں فرمایا تھا۔ اپنے آگے سے کھاؤ اور دائیں ہاتھ سے کھاؤ۔ (۳) اب کوئی کہے اتنے چھوٹے بچے کو شریعت سے کیا تعلق کہ اس سے اس امر کی پابندی کرائی جائے مگر ہم کہتے ہیں اس کی پابندی کرانے میں حرج ہی کیا ہے۔ کیا اگر بچہ بائیں ہاتھ کی بجائے دائیں ہاتھ سے کھائے تو اس سے اس کی صحت پر برا اثر پڑتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ چونکہ یہ ایسا امر نہیں جس کی پابندی کرانے سے بچے کی صحت پر برا اثر پڑتا ہو۔ بلکہ اس کے اخلاق پر اس کا اچھا اثر پڑے گا اور اس کی صحت پر بھی کوئی بوجھ نہیں ہوگا۔ نہ اس کے فہم و فراست پر۔ اس لئے اس عمر میں اس کی پابندی کرائی گئی۔

اس سے اوپر نماز کی بلوغت کا وقت آتا ہے۔ جس کی ابتدا سات سال کی عمر ہے۔ اور درمیانی دس سال اور انتہائی بارہ سال۔ اگر کوئی بچہ بارہ سال کی عمر میں نماز نہ پڑھے تو شریعت اجازت نہیں دیتی کہ ہم اسے یہ کہہ کر چھوڑ دیں۔ کہ ابھی بچہ ہے۔ بلکہ نماز پڑھنے کے لئے زور دیں گے۔ کیونکہ اس کا بھی جسم پر کوئی ایسا مخالف اثر نہیں پڑتا۔ جس سے بچے کی صحت خراب ہو۔ اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ اس کو آزاد چھوڑا جائے۔ لیکن فاقہ ایک ایسی چیز ہے جو انسان کی جسمانی حالت کو بگاڑتا اور اس کے عادی نظام کو تہ و بالا کر دیتا ہے۔ اگر ایسے بچے جن کی ابھی نشو و نما نہیں ہوئی۔ روزے رکھیں گے تو ضرور ان کی صحت پر برا اثر پڑے گا۔ اس لئے بچوں سے جو لوگ روزے رکھواتے ہیں وہ ثواب کا کام نہیں کرتے۔ بلکہ سخت غلطی کرتے ہیں۔ کسی نے کہا ہے جو ماں سے زیادہ چاہے پھپھے کٹنی کہلائے۔ نبیوں سے بڑھ کر کون دین کے لئے غیرت دکھلا سکتا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ میری صحت ہمیشہ کمزور رہی ہے۔ مگر اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ میرے ہاں بچہ بھی دیر سے پیدا ہوا۔ میری عمر اس وقت سترہ سال کی تھی۔ حالانکہ بچہ اس سے بھی کم عمر میں پیدا ہو سکتا ہے۔ چودہ سال کی عمر میں بچہ پیدا کرنے کی مثال خود ہمارے خاندان میں ہی موجود ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ کی وفات پر میری انیس برس کی عمر تھی۔ لیکن میری صحت کے لحاظ سے وہ زمانہ بھی میری روزہ کی بلوغت کا نہ تھا۔ اور محض میری صحت کی کمزوری کی وجہ سے حضرت صاحب میرے لئے روزہ رکھنا پسند نہیں کرتے تھے۔ اب بھی میری صحت کی یہ حالت ہے کہ گو بارہا میں سارے روزے رکھتا ہوں لیکن بعض دفعہ اب بھی میں روزے نہیں رکھ سکتا۔ پس جن بچوں کے سینے چھوٹے اور کمزور ہوں ان کو روزوں پر مجبور کرنا بلکہ ان کو روزہ رکھنے دینا بھی درست نہیں۔ ہاں پندرہ سال کی عمر سے اس کو عادت ڈلوانی اور مشق شروع کروانی چاہیے۔ خواہ ان کے قویٰ شہوانی بارہ برس کی عمر سے ہی بلوغت

کو پہنچ گئے ہوں اور وہ بچے پیدا کرنے کے قابل ہو گئے ہوں۔

اس سے میرا مطلب یہ نہیں کہ باوجود جسمانی قویٰ کی تکمیل کے بھی جسے وہ پندرہ سال کی عمر سے پہلے حاصل کرلیں۔ ان سے روزے نہ رکھوائے جائیں۔ بلکہ جیسا کہ بچہ پیدا کرنے والے کی بلوغت کا زمانہ مختلف ہو سکتا ہے اسی طرح ہو سکتا ہے کہ بچہ تیرہ چودہ برس کی عمر میں جسمانی قوتیں پوری حاصل کرلے۔ مگر چونکہ ایسی مثالیں بہت شاذ ہیں۔ کہ جو پندرہ برس کی عمر سے پہلے جسمانی طاقت و قوت کے تمام مرحلے طے کرلیں۔ اس لئے قانونی طور پر روزے کے لئے بلوغت کا زمانہ اٹھارہ برس ہے۔ پھر اس میں استثنائی صورتیں بھی ہیں جن میں بعض اٹھارہ برس سے کم عمر والے بھی آجاتے ہیں۔ اور بعض اٹھارہ برس سے اُوپر عمر والے بھی آجاتے ہیں۔ حتیٰ کہ بعض اکیس سال تک کی عمر والے بھی اس میں شامل ہو جاتے ہیں جن پر اکیس سال کی عمر میں روزہ فرض ہوتا ہے۔ لیکن میں نے ان دونوں حدوں کو چھوڑ کر ایک درمیان کی حالت کو لے لیا ہے۔ جو اٹھارہ سال ہے۔ ورنہ کئی ایسے ہوں گے جن کے لئے چودہ پندرہ سال کی عمر میں اپنے جسمانی قویٰ کی تکمیل کی وجہ سے روزہ ضروری ہو جائے گا۔ اور کئی ایسے ہوں گے کہ جو اپنے قویٰ کی کمزوری کی وجہ سے اکیس سال تک بھی اس حکم کے مصداق نہ ہوں گے۔ پس میں نے ایک درمیانی عمر بتائی ہے کہ اس کی بلوغت کا زمانہ پندرہ سال کی عمر سے شروع ہو جاتا ہے۔ اس لئے اس عمر سے عام طور پر روزے کی عادت ڈلوانی چاہیے۔ یعنی چار پانچ روزے رکھوائے۔ پھر چھوڑ دیئے۔ اس سے بچے کو روزوں سے مس پیدا ہو جائے گی۔ اور جب اس کا نشو و نما قوی ہو جائے گا۔ تو پھر وہ پورے روزے رکھنے لگ جائے گا اور اس کو کوئی تکلیف بھی نہیں ہوگی۔

غرض روزوں کے حکم کے عائد ہونے کے لئے بچے جنوانے کی کوئی شرط نہیں۔ بعض ایسے آدمی ہوں گے کہ ساری عمر بھی ان پر روزہ فرض نہیں ہو گا۔ اور اگر ایک روزہ بھی رکھ لیں تو ان کی صحت بالکل برباد ہو جائے گی۔ کیونکہ روزہ ایسی چیز نہیں جس کے لئے جسم کی توانائی کی کچھ ضرورت نہ ہو۔ اور اس کا جسم پر کچھ اثر نہ پڑے۔ پس ہر ایک چیز کے لئے ایک مناسبت ہوتی ہے۔ اس لئے روزے کا حکم جسمانی قویٰ کی تکمیل پر عائد ہوتا ہے۔ اگر کسی کے قویٰ جسمانی تکمیل کو نہیں پہنچے تو خواہ وہ چالیس پچاس بچے بھی پیدا کرا لے مگر روزوں کا فرض اس پر عائد نہیں ہو گا۔ دیکھو جنابت کے غسل کے متعلق حکم ہے کہ بیمار غسل نہ کرے۔ تم تو شائد کہہ دو گے کہ وہ بیمار کیسا ہے جس پر جنابت کے غسل کی نوبت آئی۔ حالانکہ ہر ایک عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ بعض آدمی ایسے ہوں گے کہ

وہ بیمار ہوں گے لیکن ان کے قویٰ شہوانی پر اس بیماری کا کوئی اثر نہ ہو گا۔ بلکہ وہ قائم رہیں گے۔ اور اس قوت کو وہ پورا کرتے ہیں۔ بلکہ شائد اگر وہ پورا نہ کریں تو ان پر اس کا الٹا اثر ہو۔ اس بارے میں میں مثال نہیں دے سکتا۔ ورنہ بڑے بڑے بزرگوں کی شہادتیں ہیں جو انہوں نے خود بیان کیں۔ تو ایسے بھی بیمار ہوتے ہیں جن کو جنابت کے غسل کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن غسل کرنا ان کے لئے منع ہوتا ہے۔ بلکہ وضو بھی ان کے لئے جائز نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ ان کی صحت کے لئے مضر ہوتا ہے۔ باوجود یکہ شہوانی قویٰ ان میں پائے جاتے ہیں اور وہ اس طاقت کو پورا کرتے ہیں۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ فقہاء بھی ان کو بیمار ہی کہتے ہیں۔ خواہ وہ بچے بھی پیدا کرتے ہوں۔ تیمّم سے بڑھ کر طب ان کو اجازت نہ دے گی۔ پس جو لوگ طب سے واقف ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ بعض بیمار بناوٹ کے لحاظ سے ایسے واقعہ ہوتے ہیں کہ وہ بلوغت جو روزوں کے حکم کو عائد کرتی ہے ان کو حاصل نہیں ہوتی۔ لیکن وہ بلوغت کہ جس سے وہ اولاد پیدا کر سکتے ہیں ان کو حاصل ہوتی ہے۔ اور اگر اس کو وہ پورا نہ کریں تو ان کی صحت زیادہ کمزور ہو جائے۔ بلکہ ممکن ہے کہ بعض اور بیماریاں بھی ان کو لاحق ہو جائیں۔ تو ہر ایک بلوغت الگ الگ قسم کی ہوتی ہے اور الگ الگ ہی اس کے متعلق احکامات ہوتے ہیں۔ ایک بلوغت وہ ہے جو تین سال سے شروع ہو جاتی ہے۔ دوسری وہ جو سات سال سے تیسری وہ جو چودہ سال سے شروع ہو جاتی ہے۔ پس روزے کی بلوغت پندرہ سال سے شروع ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جہاد کے لئے پندرہ سال سے کم عمر جائز نہیں رکھی۔ کیونکہ جہاد میں جسمانی کوفت ہوتی ہے۔ اگر اس عمر سے پہلے کسی سے جہاد کرایا جائے تو نتیجہ یہ ہو کہ اگلے جہاد اس کے سب مارے جائیں گے۔ اسی طرح اس عمر میں بچے کی نشوونما کے لئے روزے سے روکنا بے دینی نہیں بلکہ اگلے چالیس پچاس سال کی عمر کے لئے اس کے پاس ذخیرہ جمع کرنا ہے۔ اگر ہم ایسا نہیں کرتے تو ہم ان کے جسموں کو کمزور کر کے آئندہ زندگی میں ان کو روزے رکھنے سے محروم رکھتے ہیں۔ لیکن اگر ہم ان کو نشوونما حاصل کرنے دیتے ہیں تو ان کی ہڈی اور جسم مضبوط ہو جائے گا اور آئندہ زندگی کے اکثر حصہ میں وہ باآسانی روزے رکھ سکیں گے۔ پہلے ہی ہمارے ملک کے لوگوں کی بچوں کے متعلق بے احتیاطی اور نادانی کا یہ نتیجہ ہے کہ اس ملک کے لوگوں کی صحت بہت کمزور ہوتی جا رہی ہے۔ یورپین لوگ اٹھارہ اٹھارہ گھنٹے متواتر کام کرتے ہیں مگر ذرا نہیں تھکتے۔ لیکن ہمارے ملک کے آدمی چند گھنٹے بھی متواتر کام نہیں کر سکتے۔ جس کی وجہ یہی ہے کہ ہمارے ملک کے لوگوں کی بچپن میں پوری پوری نشوونما نہیں ہوتی۔ پس بچپن میں بچوں کی

طاقت کو نقصان سے بچانے اور محفوظ رکھنے کے نتیجے میں ان کی آئندہ زندگی بیماریوں سے محفوظ رہے گی۔ اور اگر صحیح طور پر اس امر کی نگہداشت کی جائے تو نہ صرف یہ کہ وہ بیماریوں سے محفوظ رہیں گے بلکہ آئندہ ان کی نسلیں اور قوم بھی صحیح القویٰ اور تندرست اور قوی ہوگی۔

اسلام کے تمام احکام عقل کے مطابق ہیں۔ اس لئے عقل سے کام لینا چاہیے۔ ہر حکم کے لئے الگ الگ بلوغت کا وقت ہے۔ اگر تم آج ایسی نسل پیدا کرلو کہ وہ پندرہ سال سے پہلے پہلے ہی نہایت گرانڈیل جوان ہوں ان کے بڑے بڑے قد اور خوب مضبوط جسم ہوں۔ اگر ایسے بچے دس سال کی عمر کے بھی ہوں تو میں کہوں گا ان دس سال کے بچوں پر بھی روزہ فرض ہے۔ پس میں عقل کی بات بتا رہا ہوں۔ اگر اس کی بنیاد عقل پر نہ ہوتی تو کسی کے لئے اعتراض کی بھی گنجائش ہوتی۔ لیکن اگر اس کی بنیاد عقل پر ہے کہ پندرہ برس سے کم عمر کے بچہ کو روزہ نہ رکھنا چاہیے تو اس پر عمل کرنا چاہیے۔

آج میں جمعہ کی نماز کے بعد ایک جنازہ پڑھوں گا۔ چوہدری نصراللہ خاں صاحب ناظر اعلیٰ کے چچا چوہدری حسن محمد صاحب جو پرانے احمدی تھے۔ فوت ہو گئے ہیں۔ ان سے تو میری ذاتی واقفیت نہ تھی۔ لیکن چوہدری نصراللہ خان صاحب جو آنریری طور پر سلسلہ کی خدمات سرانجام دیتے ہیں۔ ان کے اخلاص اور خدمات کے باعث میں ان کے چچا صاحب کا جنازہ پڑھوں گا۔ چوہدری صاحب کو ان ایام میں ان کے چچا کی نازک حالت کی وجہ سے بار بار بلایا گیا۔ لیکن چونکہ کانفرنس کے دن بہت قریب تھے اس لئے وہ نہ جا سکے اور ان کی عدم موجودگی میں ان کے چچا فوت ہو گئے۔

(الفضل ۲۱ اپریل ۱۹۲۵ء)